آئینۂ حقائق

یعنی

"خلافت معاویہ ویزید" کے اہم گوشوں پر نقد و تبصرہ

مؤلفہ

سید حشمت حسین جعفری

بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ)

ایڈووکیٹ حیدر آباد

مکتبۂ فکر اسلامی گاڑی کھاتہ حیدرآباد

آئینہ حقائق

یعنی

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے اہم گوشوں پر

نقد و تبصرہ

مؤلفہ

سید حشمت حسین جعفری

بی اے - ایل - ایل - بی (علیگ)
ایڈووکیٹ حیدرآباد

مکتبہ افکار اسلامی گاڑی کھاتہ حیدرآباد

ناشر .... مکتبۂ افکار اسلامی حیدرآباد

طابع .... سعید آرٹ پریس حیدرآباد

کاتب .... عبدالمجید

بار اوّل سنہ ۱۹۶۱ء ..... ایک ھزار

قیمت ـ۱۲ر چودہ آنے

پیش لفظ

غالباً ماہ ستمبر سنہ ۶۰ء کوئی تاریخ تھی جب میرے ایک کرم فرما بزرگ نے مجھے جناب مولوی محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب خلافت معاویہ ویزید طبع اوّل پڑھنے کو دی اور تاکید کی کہ جن بنیادوں پر اس کتاب کی عمارت کو اٹھایا گیا ہے ان کے استحکام اور عدم استحکام کا جائزہ لیا جائے چنانچہ میں نے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک بغور مطالعہ کیا۔ مطالعہ سے اس کتاب کی بنیادی خصوصیات حسب ذیل پائی گئیں۔

(۱) اوّل یہ کہ فاضل مولّف نے تمام مورخین متقدمین کو ناقابل اعتبار سمجھا ہے اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی ہے کہ یہ سب تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوئے ہیں اور ایک خاص ذہنی رجحان کے حامل تھے

۲- شہادت حضرت عثمانؓ۔ امیر معاویہ اور حضرت علیؑ کی جنگ، شہادت حضرت علی علیہ السلام۔ حضرت حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری اور امام حسینؑ کی شہادت، ان سب واقعات کا ذمہ دار انہوں نے ابن سبا اور اس کی پارٹی کو ٹھیرایا ہے۔

۳- امام تیمیہؒ، علامہ ابن کثیر، ابن حزم اور ابن العربی کی کتابوں سے انہوں نے اپنی کتاب کے بیشتر حصہ کے لئے مواد فراہم کیا ہے۔

۴۔ جمہور علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے خلاف انہوں نے یزید بن معاویہ کو پاکباز، متقی اور احکام شریعت کا پابند بتلایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی خلافت اصول اسلام کے مطابق منعقد ہوئی تھی اور امام حسینؑ نے اس کی بیعت سے انکار کر کے غلطی کی اور نتیجہ میں قتل کر دیئے گئے۔

۵۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث کی رو سے جو کتابُ الجہاد میں بابُ مَا قِیلَ فی قِتالِ الرُّوم، کے تحت درج ہے انہوں نے محدث المہلب کے قول سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر معاویہ جنتی اور یزید مغفور ہے۔

فاضل مولف کے ان مزعومات کو معتبر ترین تواریخ کتب رجال و حدیث وغیرہ پر پرکھ کر دیکھا گیا تو ان مزعومات میں کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوئی۔ تحقیق کے دوران میں اردو، عربی اور انگریزی کتابوں سے جو اقتباسات لیئے گئے ان کی بنا پر انگریزی زبان میں پانچ آرٹکل مرتب کئے لیکن اکتوبر ۱۹۶۰ء سے اگست ۱۹۶۱ء تک وہ یوں ہی رکھے رہے۔

اب احباب کے اصرار پر کہ ان کا اردو میں ترجمہ کیا جائے ان کو معمولی حک و اضافہ کے ساتھ اردو زبان کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔

امید ہے کہ اہل حق کو ان مضامین کے پڑھنے کے بعد اس کے

متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں بہت کچھ مدد ملے گی کہ آیا فاضل مولف کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" ایک تحقیقی کارنامہ ہے یا تحقیق و تدقیق سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کتاب میں "خلافت معاویہ یزید" کے صفحات کے جو حوالے ہیں وہ طبع اوّل سے دیئے گئے ہیں۔

احقر

سیّد حشمت حسین جعفری

بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی (علیگ)

ایڈوکیٹ۔ حیدرآباد

کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید"

کے دیباچہ پر تبصرہ

کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے فاضل مولف نے "عرض مولف" کے عنوان سے اپنی کتاب کا دیباچہ تحریر کیا ہے اس کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد کسی غیر جانبدار شخص کو اس نتیجہ پر پہنچنے میں دشواری نہیں ہوسکتی کہ یہ کتاب ایک خاص مقصد کے تحت لکھی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرمانروایانِ بنی امیہ خصوصاً معاویہ اور یزید بن معاویہ کے کیر یکٹر اور ان کی طرزِ جہانبانی کو عام لوگوں کی نگاہوں میں بڑھا چڑھا کر دکھایا جائے جو باتفاقِ مورخین متقدمین ظالم اور جابر تھے۔ واقعات تاریخی کا صحیح معنوں میں جائزہ لینے کی بجائے جو ایک محقق کا فرض اوّلین ہے فاضل مولف نے ابتداء ہی میں بیک جنبشِ قلم تمام موجودہ قدیم اسلامی تاریخوں کو یہ لکھتے ہوئے حدِ اعتبار سے ساقط

قرار دیا کہ وہ اُن مورخین کے کارنامے ہیں جو تیسری صدی ہجری کے شروع میں بقید حیات تھے اور ایک خاص ذہنی رجحان کے حامل تھے آنیوالے مورخین نے ان ہی واقعات تاریخی کو اپنی اپنی تاریخوں میں بجنسہ دھرادیا اور ان کی تنقید کی طرف کوئی توجہ نہیں کی' مذکورہ صدر رائے ظاھر کرکے فاضل مولّف نے بالارادہ تاریخ کے مسلّمہ واقعات کو مجروح قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے ورنہ ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ مولّف جیسے فاضل شخص کو تاریخ اسلام کی ابتدائِ تدوین کا حال معلوم نہ ہو۔ اس ہی صدی کے مشہور عالم علامہ شبلی نے اپنی معرکتہ الآراء کتاب" الفاروق" جلد اوّل ص ۱۶-۱۷ پر بحوالہ فہرست ابن ندیم لکھا ہے کہ تاریخ عرب کی سب سے پہلی کتاب عہد معاویہ میں ان کے حکم سے لکھی گئی اور دوسری کتاب اُموی فرمانروا ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں لکھی گئی۔ علامہ موصوف نے سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۰ پر صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ہشام سے پہلے اُموی خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے حکم سے امام زھری نے مغازی مدوّن کی تھی۔ ان شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جو مورخین تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یا اس کے بعد ہوئے ہیں انکی تاریخوں کے ماخذ وہی واقعات تھے جو امیر معاویہ۔ ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز فرمانروایان بنی امیہ کے دور میں ضبط تحریر میں آچکے تھے۔

فاضل مولف نے مورخین میں سے صرف ابن خلدون اور امام ابن تیمیہ کو منتخب کیا ہے جنہوں نے ان کے قول کے مطابق معاویہ اور یزید ابن معاویہ کو بہت کچھ سراہا ہے تعجب ہے کہ فاضل مولف نے اپنی مقصد برآری کے لئے یہ من مانا انتخاب کرکے معاویہ اور یزید کے بارے میں مورخین کی اکثریت کے متفقہ فیصلہ کو ٹھکرادیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مقدمۂ تاریخ ابن خلدون کے اُس غلط بحث سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جس میں اس نے بقاء حکومت کے لئے قومی عصبیت کے اصول کو پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ کا اپنی حیات میں یزید کو اپنا جانشین بنانا اور لوگوں سے اسکی بیعت لینا ضروری تھا اس لئے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بنوامیہ ان ہی کے خلاف ہوکر بغاوت کردیتے اور حکومت پاش پاش ہوکر رہ جاتی، لیکن اسی ابن خلدون نے تاریخ لکھتے وقت امیر معاویہ اور یزید کے بارے میں دیگر مورخین سے ہمنوائی کی ہے انہیں وجوہات کی بناء پر پروفیسر ہتی نے اپنی تاریخ عرب میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ بدقسمتی ہے کہ ابن خلدون نے جن اصولوں کو اپنی تاریخ کے مقدمہ میں پیش کیا ہے انہیں تاریخ لکھتے وقت کام میں نہیں لیا (تاریخ عرب مولفہ ہتی ص ۵۶۸)

امام ابن تیمیہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے۔ یہ شروع میں حنبلی گروہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں

انہوں نے آزادی اجتہاد کا علم بلند کیا اور اس کی شدید مخالفت کی کہ آئمہ اربعہ کے ساتھ اجتہاد کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ (دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام مولفہ علامہ اقبال ص ۱۵۲) ابن تیمیہ نے ایک منظم طریقہ سے فلسفۂ یونان کی تردید کا بیڑا اٹھایا (ایضاً ص ۱۲۹) ان شواہد سے ظاہر ہے کہ ابن تیمیہ کا اصل مطمح نظر فلسفۂ یونان کی تردید کرنا اور فقۂ اسلامی کو موثر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ ان کا شمار مورخین میں نہیں ہے۔ جیسا کہ فاضل مولف نے خود اپنے دیباچہ کے صفحہ ۸ پر اعتراف کیا ہے کہ ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنتہ" تاریخ کی کتاب نہیں ہے باوجود اس اعتراف کے فاضل مولف نے اس کتاب میں سے اپنے مفید مطلب فقرات چن لئے ہیں اور انہیں اپنے مقصد زیر نظر کی تائید میں بطور تاریخی شواہد پیش کر دیئے ہیں۔ کیا اس قسم کی کتاب کو تحقیقی کتاب کہا جا سکتا ہے؟ مولف اسے جو چاہیں کہیں لیکن جو لوگ اصول تحقیق سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کا دنیائے تحقیق میں کیا مقام ہے۔

ابنِ سباء کی شخصیت پر تبصرہ

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کو ابتداء سے انتہا تک پڑھنے کے بعد یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اسکے مولف مولوی محمود احمد عباسی کے نزدیک حضرت عثمانؓ کے بیدردانہ قتل کی تمامتر ذمہ داری ابن سباء اور اس کے رفقائے کار پر عائد ہوتی ہے' حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کو میدان صفین میں بالمقابل لا کھڑا کرنے اور ان میں جنگ کرا دینے کا ذمہ دار بھی یہی عبداللہ بن سباء اور اس کا حامی گروہ تھا۔ امام حسن کے عہد خلافت میں وہ واقعات پیدا کر دینا کہ جن سے مجبور ہو کر ان کو امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونا پڑا اسی ابن سباء اور اس کے ہوا خواہوں کی شاطرانہ چالوں کا نتیجہ تھا۔ اور آخر میں کربلا کے روح فرسا واقعہ کی روح رواں بھی یہ ہی ابن سباء اور اس کی پارٹی تھی جنہوں نے نہایت سفاکانہ طریقے سے امام حسین سبط رسول الثقلین کو مع ان کے

اعزا و اصحاب کے قتل کیا۔ فاضل مولف نے اپنی کتاب میں ان صحیح اور ناقابل تردید وجوہات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ مذکورہ بالا شرمناک واقعات کا باعث ہوئے اور ان کے اصل مرتکبین یعنی امیر معاویہ اور یزید کے دامن عمل کو ان بدنما داغوں سے پاک کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

آیئے دیکھیں کہ فاضل مولّف ان واقعات کو ابن سبار اور اس کے رفقائے کار کے سر تھوپنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور انہوں نے ابن سبار کی شخصیت کے وجود پر اپنی تحقیق کو کس منزل تک پہنچایا ہے۔ سب سے قدیم کتاب جس میں ابن سبار کا تفصیلی حال ملتا ہے علامہ ابن جریر طبری کی "تاریخ الرسل والملوک" ہے جو ۳۰۱ھ میں تالیف ہوئی۔ تاریخ طبری کی رو سے ابن سباء کے تذکرہ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

عبداللہ ابن سباء المعروف بہ ابن سودا یمن کے شہر صنعا کا ایک یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں طمع زر اور دشمنی اسلام کا جذبہ اس کے قبول اسلام کا محترک ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک سچا اور پرخلوص مسلمان ظاھر کر کے مدینہ طیبہ کے بعض مسلمانوں سے دوستی پیدا کر لی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے اپنے مدنی دوستوں سے گہرے تعلقات قائم کرنے کی

تدبیر سوچی اور وہ یہ تھی کہ اس نے لوگوں سے کہا سخت تعجب ہے کہ عیسائی جناب مسیح علیہ السلام کی رجعت یعنی دنیا میں دوبارہ آنے کے قائل ہوں اور تم لوگ پیغمبر اسلام کی رجعت کے قائل نہیں حالانکہ وہ حضرت مسیح سے کہیں افضل ہیں اور اس نظریۂ رجعت کی تائید میں اس نے قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ	
عَلَیْکَ الْقُرْآنَ	جس خدا نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے
لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ	وہ بلاشبہ تجھے اس مقام پر لوٹا دے گا جسکی طرف لوگ بار بار جاتے ہیں

(یہ آیت دراصل ہجرت کے زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور اس میں آنحضرت صلعم کو بشارت دی گئی تھی کہ کچھ عرصہ بعد آپ نہایت عزت و احترام کے ساتھ مکہ معظمہ میں واپس لوٹیں گے)

ابن سبا کے مدنی دوستوں نے اس کو ہمدرد اسلام سمجھا اور اس کی اس غلط تاویل آیت کو باور کرلیا۔

دوسرا قدم جو اس نے دنیائے اسلام میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اٹھایا یہ تھا کہ اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ ہر نبی کا ایک خلیفہ اور وصی ہوتا رہا ہے

اور پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد علیؑ ہی واحد خلافت و وصایت کے مستحق تھے۔ اس تدبیر سے اس کا منشاء یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ اور بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جو دیرینہ دلی رقابت چلی آئی ہے وہ پوری قوت کے ساتھ روبکار آجائے۔ مدینہ کی فضا کو اس نے پوری طرح اپنی مقصد برآری کیلئے سازگار نہیں پایا۔ تاہم وہاں اس کو کچھ طرفدار میسر آگئے جنہیں ضروری ہدایات دیکر اس نے بصرہ کی طرف رخ کیا تاکہ وہاں اپنے نظریہ کی اشاعت کرے اور اپنی معاندانہ اور منافقانہ تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔

بصرہ میں اس کو اپنے نظریہ کی حسب دلخواہ حمایت میسر آئی اور وہاں اسے اپنے ہمنواؤں کی بھی کافی تعداد مل گئی جنہوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ وقت ضرور کے اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے بدقسمتی سے اس کی یہ تجویز کہ حضرت عثمان کو خلافت سے معزول کر دیا جائے طشت ازبام ہوگئی چنانچہ گورنر بصرہ نے اس کو اپنے سامنے طلب کیا مگر وہ اپنی چرب زبانی سے اس کے چنگل سے نکل گیا اور کوفہ کا رخ کیا لیکن جاتے وقت اپنے طرفداروں کو چھوڑ گیا کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے نظریہ کی خفیہ طور سے پوری طرح نشر و اشاعت کریں۔

کوفہ میں ابن سبا کو اپنے نظریہ میں زیادہ تیزی کیساتھ کامیابی نصیب ہوئی،
یہاں اس کو ایک ایسی جوشیلی جماعت مل گئی جو حضرت علی
کے مستحق خلافت ہونے اور حضرت عثمان کے معزول
کئے جانے کی حامی تھی جس کا راس و رئیس مالک اشتر
تھا لیکن یہاں بھی اس کی نقل و حرکت کو مشکوک نظروں
سے دیکھا گیا جس کے نتیجہ میں گورنر کوفہ کے سامنے اس
کی طلبی ہوئی مگر جواب و سوال کے بعد وہ یہاں سے بھی
بچ کر نکل گیا۔ اپنے طرفداروں کو یہ ہدایت کر کے کہ وہ
خفیہ طور سے اس کے نظریہ کی اشاعت کرتے رہیں
ابن سبا، دمشق کو روانہ ہو گیا۔

دمشق میں ابن سبا، کو اپنے مقصد کے لئے سازگار فضا
ملی اس نے دیکھا کہ بیت المال کی رقم کے مصرف کے
متعلق امیر معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری میں شدید
اختلاف رائے ہے ابوذر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بیت المال
کی رقم مسلمانوں میں تقسیم کی جائے اور امیر معاویہ یہ کہتے
ہیں کہ ضرورت کے لئے بیت المال کی رقم جمع رکھی جائے،
ابن سبا، نے ابوذر غفاری کے نقطۂ نظر کی تائید
کی اور ساتھ ساتھ حضرت عثمان کو بھی مطعون کیا کہ وہ
اپنے اعزا و اقارب پر بیت المال کی رقم بیجا طور

پر خرچ کرتے ہیں۔ اتفاقاً ابن سبا نے اپنے نظریہ کو ابو درداء صحابیٔ رسول سے بھی بیان کیا اور انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی لیکن ابو درداء سمجھ گئے کہ یہ شخص ابھی تک یہودی ہے اور آیۂ قرآنی کی غلط تاویل کر رہا ہے اور حضرت عثمان کے قتل کے لئے فضا سازگار بنا رہا ہے چنانچہ انہوں نے ابن سبا کو معاویہ کے سامنے پیش کر دیا۔ امیر معاویہ نے اس سے کچھ سوالات کئے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ ایک جاسوس ہے اور ابھی تک یہودی ہے اور حضرت عثمان کے درپے ہے اور اس لئے اس کو دمشق سے جلا وطن کر دیا۔

دمشق سے نکل کر ابن سبا قاہرہ آیا۔ مصر کا گورنر ان دنوں قسطنطنیہ میں مصروف جہاد تھا اس لئے مصر میں اسے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے نظریہ کی اشاعت کا موقعہ مل گیا۔ یہاں اس نے حضرت عثمان اور ان کے مقرر کردہ عاملوں کے طرز حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی اور ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا جس نے حضرت عثمان کے قتل کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شروع میں اس نے اپنے ہوا خواہوں سے عامل مصر کے خلاف حضرت عثمان کے پاس یہ

شکایت بھجوائی کہ وہ احکام شریعت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں کرتا ہے اور رعایا پر بے پناہ ظلم کرتا ہے اور مطالبہ کیا کہ اس کو فوراً گورنری سے معزول کر دیا جائے۔ ابن سباء نے کچھ ایسا انتظام کیا تھا کہ جس وقت عامل مصر کے خلاف شکایات بارگاہ خلافت میں موصول ہوں اسی وقت کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کے خلاف بھی شکائتیں پہنچ جائیں اور ایسا ہی ہوا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ان مقامات سے وفود آئے اور عامل مصر کے معزولی کے مطالبے نے اس درجہ شدت اختیار کی کہ حضرت عثمان کو اس کی معزولی اور اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کی تقرری کا حکم صادر کرنا پڑا۔ اب سبائی نئے عامل بصرہ کی سرکردگی میں مدینہ سے بصرہ روانہ ہوئے، ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انہوں نے کچھ فاصلہ پر ایک شتر سوار کو شارع عام چھوڑ کر بڑی تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا اور اس پر شبہ کر کے اس کا تعاقب کیا۔ تلاشی لینے پر اس کے قبضہ سے ایک خط برآمد ہوا جس پر حضرت عثمان کی مُہر ثبت تھی۔ خط کو کھول کر دیکھا تو اس میں عامل مصر کے نام یہ حکم تھا کہ جب نیا عامل اور اس کے ہواخواہ

تمہارے پاس پہونچیں توان کو قتل کرادینا۔ یہ دیکھکر محمد بن ابی بکر اور اس کے ہم سفر سبائی نہایت غم و غصہ کی حالت میں مدینہ واپس آئے اور حضرت عثمان کو اس سازش میں ملوث سمجھکر ان کے محل کا محاصرہ کرلیا حضرت عثمان کے بار بار قسم کھانے کے باوجود کہ انہیں اس معاملہ کی خبر بھی نہیں ہے اور حضرت علی، طلحہ، زبیر اور دیگر اصحاب رسول کی فہمائش کے باوجود کہ انہیں اپنے فاسد ارادہ سے باز رہنا چاہیئے یہ لوگ اپنے عزم میں زیادہ اور زیادہ بے مہار ہوتے چلے گئے۔ آخرالامر محمد بن ابی بکر دو سبائیوں کے ساتھ ایک قریب کے گھر کی دیوار پر چڑھ کر حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہوگیا اور ان تینوں نے انہیں قتل کردیا۔"

ہر شخص جس کو ذرا بھی عقل و خرد سے بہرہ ملا ہے وہ ابن سبا کی اس داستان کو بلا توقف خرافات کا ایک پلندہ سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دے گا اور جن لوگوں کو تاریخ اسلام سے کچھ بھی مس ہے ان کے لئے یہ معلوم کرنا قطعی دشوار نہیں کہ یہ کہانی کس ٹکسال کی گھڑی ہوئی ہے کیا کوئی ذی عقل انسان اس بات کو باور کرسکتا ہے کہ ایک منافق یہودی اسلام دوستی کا لبادہ اوڑھ کر اصحاب رسول کو مدینہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور دمشق میں فریب دینے میں کامیاب ہوجائے۔ اور کامیاب بھی اُس آیت کی غلط تاویل باور کرانے میں جس کا صحیح مفہوم وہ ہجرت کے وقت پیغمبر اسلام

کی زبانی سن چکے تھے کہ اس آیت میں آپ کو فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں معاودت کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ کیا یہ چیز قابل یقین ہو سکتی ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا حال معلوم ہو جانے پر بھی وہ بصرہ، کوفہ، مصر اور شام کے عاملوں کے چنگل سے اس آسانی کے ساتھ بچ کر نکل جائے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آنیوالی ہے کہ امیر معاویہ جیسا مدبر شخص اس چیز کا اطمینان ہو جانے کے بعد بھی کہ وہ ایک منافق یہودی ہے جس نے محض مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلانے کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے اور جو حضرت عثمان کے قتل کے لئے زمین ہموار کرنے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہے اسکو محض شام سے جلا وطن کرنا کافی سمجھے گا اور اس کی جاں بخشی کر دے گا۔ ان اور ان جیسے دیگر وجوہات کی بناء پر محققین کا یہ فیصلہ ہے کہ ابن سباء محض ایک فرضی کردار ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے، دور حاضر کے بہترین محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی رائے ہم ان کی مشہور کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

> میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملہ کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ ان تمام ماخذ میں جو حضرت عثمان کے خلاف رونما ہونیوالی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ہیں ابن سباء کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ مثلاً ابن سعد (المتوفیٰ ۲۳۰ھ) نے جہاں خلافت عثمان اور ان کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن سباء کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

اسی طرح بلاذری (المتوفیٰ ۲۷۹ھ) نے بھی "انساب الاشراف" میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے "انساب الاشراف" اہم ترین ماخذ ہے اور اس قصہ کی سب سے زیادہ تفصیل اسی کتاب میں ملتی ہے۔ ابن سباء کی یہ داستان طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) نے سیف بن عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور معلوم یہی ہوتا ہے کہ مابعد کے جملہ مورخین نے اس روایت کو طبری ہی سے لیا ہے۔"

(اردو ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ از پروفیسر محمد منور ایم۔ اے مطبوعہ طلوع اسلام لاہور)

سیف بن عمر جس سے طبری نے ابن سباء کی داستان اپنی تاریخ میں نقل کی ہے قابل اعتبار مورخ نہیں ہے پروفیسر ڈی خوئے جس کو فاضل مولف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۷ پر بطور سند پیش کیا ہے لکھتا ہے کہ سیف بن عمر نے حضرت ابوبکر کے عہد میں اہل عرب کے ارتداد کی تاریخ لکھی ہے اور فتوحات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ لیکن اسکی تاریخ کو نہایت

نقد و احتساب سے پڑھنے کی ضرورت ہے (خلافت مولفہ ایس خدا بخش مطبوعہ اورینٹ ایلیا لاہور ص ۴۳) یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ دورِ حاضر کے مشہور مورخ و محقق سر فلپ ہتّی نے ابن سبا اور اس کی نقل و حرکت کی فرضی داستان کا ذکر اپنی تاریخ عرب میں مطلقاً نہیں کیا۔

یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ فاضل مولّف کی اس پوری کتاب میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ اگر کوئی ضعیف سے ضعیف اور غیر معتبر سے غیر معتبر روایت ان کے مقصدِ زیر نظر کی تائید کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے تو وہ اس کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور اگر قوی سے قوی اور معتبر سے معتبر روایت ان کے مقصد کے خلاف نظر آتی ہے تو اسے یہ لکھتے ہوئے رد کر دیتے ہیں کہ اس کا بیان کرنے والا غالی شیعہ ہے چنانچہ متعدد مقامات پر انہوں نے طبری کی روایات کو اس بناء پر ٹھکرا دیا کہ وہ شیعہ تھا حالانکہ ان روایات کے رد کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے مقصدِ زیر نظر کی تائید نہیں کرتی تھیں لیکن ابن سبا کی بے بنیاد اور خلافِ عقل داستان کو جو ان کے مقصد کی مؤید تھی انہوں نے بے درنگ قبول کر لیا اور اس منزل میں اس کی شیعیت ان کے لئے مانع قبولیت نہیں ہوئی۔ عصبیت کی ایسی ہی گل کاریاں ہوا کرتی ہیں۔

کتاب خلافتِ معاویہ و یزید

کی تالیف میں جن مصنفین اور کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

اُن پر نقد و تبصرہ

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ یا واقعہ ہو کہ جس میں اختلاف رائے نہ ہوا یا نہ ہوا ہو۔ مختلف فیہ مسائل و واقعات میں ہمیشہ دو گروہ ہوتے ہیں ایک حزب موافق جو بدلائل و براہین اس کی تائید و توثیق کرتا ہے اور دوسرا حزب مخالف جو اس کی تضعیف و تکذیب کرتا ہے۔

اس موافقت و مخالفت میں اکثر اوقات عصبیت، نظریاتی اختلاف اور ماحول کے تاثرات کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ ایک محقق کا فرض ہے کہ وہ اپنی تحقیقِ مسائل میں ایک فریق کا کردار ادا نہ کرے بلکہ بلا خوف لومۃ لائم مسئلہ زیر نظر کے مالہٗ و ماعلیہ پر غور کر کے نتائج اخذ کرے۔ محققین کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی واقعہ کے اثبات میں جس کا کسی شخصیت کے کردار پر بُرا اثر پڑتا ہو کسی ایسے مصنف یا مؤلف

کے قول کو دلیل نہیں بنانا چاہیئے جو حزب مخالف سے تعلق رکھتا ہو۔ یا جس کی اس شخص کے ساتھ دشمنی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو اور جو اقوال بھی پیش کئے جائیں وہ معتبر ترین ماخذ سے پیش کئے جائیں۔

اس مسلمہ اصول کی روشنی میں جب ہم فاضل مولف کی کتاب خلافت معاویہ ویزید کا جائزہ لیتے ہیں تو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے انہوں نے اپنے مقصد پیش نظر یعنی حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کو لوگوں کی نظروں میں گرانے اور امیر معاویہ اور یزید کو ان کی نظروں میں بڑھانے، میں بہر نوع و بہر صورت کامیاب ہونے کے لئے ان مصنفین کا انتخاب کیا ہے جن کا علی اور اولاد علی کے ساتھ دشمنی اور امیر معاویہ اور بنو امیہ کے ساتھ ہمدردی رکھنا مسلم الثبوت ہے اور ان کی تصنیفات کو اپنی کتاب کا ماخذ قرار دیا ہے یا پھر ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کا دنیائے تحقیق میں کوئی مقام نہیں ہم اس مختصر مضمون میں صرف ان کتابوں اور انکے مصنفین کے حالات سے بحث کرینگے جنہیں فاضل مولف نے اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر مقامات پر بطور سند پیش کیا ہے۔

مِنھاجُ السُّنتہ لِلامام ابنِ تیمیہ

"امام ابن تیمیہ کا پورا نام تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ ہے یہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

یہ شروع میں حنبلی فقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے اس سے قطع تعلق کر لیا اور خود اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے تقلید کی مذمت کی اور اجماع کی اہمیت کو گرا دیا۔ اولیاء اللہ کی تعظیم اور زیارت قبور کو قبر پرستی قرار دے کر علی الاعلان فتویٰ دیا کہ کسی مسلمان کی قبر پر زیارت کے لئے جانا حرام ہے' وہابی تحریک امام ابن تیمیہ کی اسی قسم کی تحریروں کی مرہون منت ہے'۔ انہوں نے علی الاعلان جامع دمشق میں اعلان کر دیا کہ علی ابن ابی طالب نے اپنی زندگی میں تین سو غلطیاں کیں"۔

(اینسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۲۔ ص ۴۲۱ - ۴۲۳۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۷ عیسوی)

حضرت علی علیہ السلام کے متعلق اجلہ علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ محفوظ عن الخطا تھے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کے معائب و مثالب تلاش کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہیں اس ضمن میں ناکامی ہی رہی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ	
قَالَ سَأَلْتُ اَبِیْ عَنْ عَلِیٍّ وَمُعَاوِیَةَ	عبداللہ ابن احمد بن حنبل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے علی اور معاویہ
فَقَالَ اِنَّ عَلِیًّا کَانَ کَثِیْرَ الْاَعْدَاءِ	کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا کہ علی
فَفَتَّشَ لَهٗ اَعْدَاؤُهٗ عَیْبًا فَلَمْ یَجِدُوْا	کے دشمن بہت تھے جنہوں نے کوئی

(تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲) عیب کے تلاش کرنے کی بہت جستجو کی لیکن
(مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی) انہیں کوئی عیب نہیں مل سکا۔

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے امام ابن تیمیہ کا جامع دمشق میں یہ اعلان کرنا کہ علی تین سو غلطیوں کے مرتکب ہوئے دشمنیٔ اہلبیت رسول کے سوا اور کس چیز پر محمول کیا جا سکتا ہے امام ابن تیمیہ کا یہ عمل کچھ حضرت علی کی ذات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ دیگر افراد اہلبیت کے متعلق بھی ان میں یہ ہی جذبہ کارفرما تھا۔ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے تاریخ کی اس مثبتہ حقیقت سے انکار کر دیا کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے بہت کچھ فقہی معلومات بہم پہنچا ہیں۔ علامہ شبلی نے اس انکار کے متعلق اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہمعصر

تھے۔ اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہؒ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں وَصَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْھَا" (سیرۃ النعمان، حصہ اوّل ص ۲۵)

ہمیں امام ابن تیمیہ کے علم و فضل کا اعتراف ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے علمی کارناموں میں وہ چنگاریاں بھر دی تھیں جو پانچسو یا ساڑھے پانچسو سال بعد محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے پیکر میں شعلۂ جوالہ بنکر رونما ہوئیں "وہ محمد ابن عبدالوہاب جو وھابی تحریک کے بانی مبانی ہیں اور جنہوں نے امام ابن تیمیہؒ کی تاسی میں بزرگان دین کی قبروں پر زیارت کے لئے جانا شرک قرار دیا" سنہ ۱۷۹۵ھ میں ان کے انتقال کے بعد زمام حکومت محمد ابن سعود کے ہاتھ آئی جو ان کے داماد بھی تھے انہوں نے محمد بن عبدالوہاب کے مشن کو پوری قوت سے عملی جامہ پہنایا اور سنہ ۱۸۰۱ء میں کربلا کو تاخت و تاراج کیا اور سنہ ۱۸۰۳ء میں اہل بیت کرام اور اصحاب عظام کے مزارات کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا (تاریخ عب موئلفہ ہتی ص ۷۴۰)

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ امام ابن تیمیہؒ علی اور اولاد علی کے مخالفین میں سے ہیں ان کا کوئی قول جو ان حضرات کے خلاف ہو بغیر نقد و احتساب سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ قول ان کے کسی تحقیقی کارنامے

ہی میں کیوں نہ ملتا ہو چہ جائیکہ کتاب منہاج السنۃ جو ایک مناظرہ کی کتاب ہے، دنیا جانتی ہے کہ مناظرہ میں حق و باطل کے اتباع کا خیال نہیں ہوتا ہے، وہاں تو اپنے حریف مقابل کو ذک دینے کا تصور غالب رہتا ہے اور اسی لئے تحقیقی مسائل میں کتب مناظرہ سے عموماً اخذ مطالب نہیں کیا جاتا۔ منہاج السُنّۃ کی تالیف کا سبب یہ تھا کہ شیعی عالم جمال الدین ابو منصور حسین بن یوسف بن مطہر الحلی المتوفی ۷۲۶ھ نے ایک کتاب "منہاج الاستقامہ فی اِثباتِ الامامتہ" لکھی۔ امام ابن تیمیہ نے اس کی رد میں منہاج السُنّۃ تحریر کی جس کا پورا نام منہاج السنۃِ النبویہ فی نقضِ کلامِ الشیعۃ والقدریۃ ہے (کشف الظنون جلد ۲ ص ۶۷۹) فاضل مولّف مولوی محمود احمد عباسی نے ان تمام اصول تحقیق سے واقف ہونے کے باوجود بھی منہاج السُنّۃ سے کثیر اقوال اپنے مقصد زیر نظر کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

خیر یہ تو ان کے اختیار کی چیز تھی لیکن ارباب نظر کی نگاہ میں ان اقوال سے ان کی کتاب کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے۔ یہ وقت خود بتلائے گا کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہر شخص کے لئے ذاتی تحقیق و تدقیق کے دریچے کھلے ہوئے ہیں۔

البدایہ والنہایہ للعلامہ ابن کثیر

"علامہ ابن کثیر ۷۰۱ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے، دمشق میں ہی ان کی نشو ونما اور تعلیم و تربیت ہوئی اور یہاں ہی یہ علم حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان سے ایک تفسیر یادگار ہے جو متداول ہے اور تاریخ میں ان کی کتاب "البدایہ والنہایہ" ہے۔ ۷۳ سال کی عمر میں ۷۷۴ھ میں انہوں نے دمشق میں انتقال کیا۔ یہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے" (انسائی کلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ حصہ اوّل ص ۳۹۳)

علامہ ابن کثیر کے قلبی رجحان اور ذہنی میلان کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دمشق کے میلانات ورجحانات کا قرنِ اوّل سے ہی مختصر ترین الفاظ میں جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ ذہنِ انسانی کی ساخت میں ماحول کے اثرات کا بڑا دخل ہے جن لوگوں نے تاریخ عرب کا سرسری طور سے بھی مطالعہ کیا ہے ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ طلوع اسلام سے مدتوں پہلے قریش کی قیادت خاندان بنی ہاشم سے متعلق تھی اور بنو امیہ جو بنو ہاشم کے یک جدّی تھے اس قیادت واقتدار پر رشک وحسد کرتے تھے پیغمبر اسلام کے اعلان نبوت نے جو بنو ہاشم کی ایک فرد تھے بنو امیہ کی اس آتش حسد کو بھڑکا دیا اور وہ آنحضرت صلعم کو ان کے مشن میں ناکام بنانے کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گئے لیکن آپ کے چچا

ابوطالب جو اُن دنوں قریش کے راس و رئیں تھے آپ کی ہمیشہ سپر بنے رہے۔ سنہ قبل بعثت میں ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اب قریش کی قیادت ابوجہل کے حصہ میں آئی۔ ابوسفیان نے جو بنو امیہ کے سردو سردار تھے، ابوجہل کے ساتھ ملکر حضور صلعم کو اس درجہ ایذائیں پہنچائیں کہ مجبور ہو کر آپ نے مدینہ میں ہجرت کی ۲ھ میں جنگ احد ہوئی جس میں ابوجہل مارا گیا اور اب قریش کی مکمل قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ فتح مکہ تک کوئی ایسا معرکہ نہیں ہوا جس میں ابوسفیان اور اس کی اولاد نے شمع رسالت کو گل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا ہو۔ آخر میں بقول ڈاکٹر طہٰ حسین مصری۔ جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام، تب ابوسفیان مسلمان ہوا لیکن حصول اقتدار کی آگ اسی طرح سینہ میں شعلہ زن رہی۔

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے مسلمانوں میں داخلی انتشار پیدا کر کے اسلام کی قوت کو پاش پاش کرنے کے خیال سے ابوسفیان حضرت علی کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ خلافت آپ کا حق ہے ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں، مگر حضرت علی اُس کے خیال کو سمجھ گئے اور انہوں نے ابوسفیان کی پیشکش کو رد کر دیا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کرنے کے وقت مسلمانوں کو اس کی فتنہ پردازی سے محفوظ رکھنے کے خیال سے اس کی خواہش کے مطابق

اس کے بڑے لڑکے یزید کو سپہ سالار بنا دیا اور بعد میں شام کے مفتوحہ علاقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ امیر معاویہ اس زمانہ میں اپنے بھائی یزید کے ساتھ شام ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یزید نے انتقال کیا اور ابو سفیان کی استدعا پر حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ برابر شام کی گورنری پر فائز رہے۔ حضرت عثمان کے شہید ہونے اور حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے پر وہی قبائلی رقابت اور حصول اقتدار کی تمنا بروئے کار آئی کیونکہ حضرت علیؑ خاندان بنی ہاشم سے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہ نے حضرت علیؑ پر قاتلان عثمان کو پناہ دینے کا الزام عائد کر کے ان کے خلاف بغاوت کر دی اور اہل شام کے دلوں میں ان کی طرف سے نفرت پیدا کر دی۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسن خلیفہ ہوئے لیکن امیر معاویہ نے اپنی حکمت عملی سے ان کی فوج کے افسروں کو توڑ لیا۔ امام حسن کو جب یہ یقین ہو گیا کہ اب جنگ کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ان کے اہل خاندان اور خواص قتل یا گرفتار ہو جائیں تو انہوں نے امیر معاویہ کی خواہش کے مطابق صلح کر کے خلافت ظاہری ان کے سپرد کر دی اور ان سے یہ عہد و اقرار لے لیا کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اور سیرۃ خلفائے صالحین کے مطابق عمل کریں گے۔

حصول خلافت کے بعد بھی امیر معاویہ نے دیکھا کہ لوگ بنو ہاشم

کی طرف ان کی شرافت نفس، بلندیٔ کردار، اور فضیلتِ علم کی وجہ سے قلبی میلان رکھتے ہیں اور علیؑ اور اولاد علیؑ کو ابھی تک مستحق خلافت سمجھتے ہیں اور ان کی عزت و عظمت کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کے استحکام حکومت کے لئے مضر تھی، لہذا انہوں نے علیؑ اور اولاد علیؑ کی طرف سے اس زمانے کے لوگوں خصوصاً شامیوں کو اور آنے والی نسلوں کو بدظن کرنے کے لئے حکماً ان پر سب و شتم اور لعنت کرنے کی رسم جاری کی اور اس حکم کو اس شدت کے ساتھ جاری کیا کہ اگر کوئی انکار کرتا تو اس کی گردن اڑا دی جاتی۔ حجرؓ اور ان کے اصحاب کا واقعہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ حجرؓ نہایت پاک باز انسان اور صحابیٔ رسول تھے انہوں نے امیر معاویہ سے بیعت بھی کرلی تھی لیکن علیؑ اور اولاد علیؑ پر لعن طعن نہیں کرتے تھے، اس جرم کی پاداش میں ان کے خلاف جھوٹی شہادتیں قلمبند کرکے زیاد بن سمیہ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو امیر معاویہ کے پاس دمشق بھیجدیا۔ اس موقع کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری لکھتے ہیں۔

"اب معاویہ پر راہ کھل گئی۔ اس نے ان قیدیوں پر اپنے آدمی کے ذریعہ دو باتیں پیش کیں، حضرت علیؑ سے برارت اور ان پر لعنت اور حضرت عثمانؓ سے محبت، جس نے یہ منظور کرلیا اُسے

چھوڑ دیا اور جس نے اس سے انکار کیا اس کی گردن اڑادی (اردو ترجمہ "علیؑ و بنوہ" مولفہ ڈاکٹر طہٰ حسین مصری مترجمہ عبدالحمید نعمانی ص ۴۳۶)

یہ سلسلہ سبّ وشتم ۱۰۰ھ تک جاری رہا اور آخر میں اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس بدعت کو ختم کیا۔ تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

كَانَ بَنُو اُمَيَّةَ يَسُبُّوْنَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فِي الْخُطْبَةِ فَلَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَبْطَلَهٗ وَكَتَبَ اِلٰى نُوَّابِهٖ بِاِبْطَالِهٖ وَقَرَاَ مَكَانَهٗ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الْاٰيَةَ فَاسْتَمَرَّتْ قِرَاءَتُهَا فِي الْخُطْبَةِ اِلَى الْاٰنَ۔ (ص ۱۸۶)

بنو امیہ خطبۂ نماز جمعہ وغیرہ میں علی ابن طالب پر سب وشتم کیا کرتے تھے جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس بدعت کو دور کیا اور اپنے عاملوں کو بھی اس کے بند کرنے کو لکھا اور اسکی جگہ خطبہ میں آیہ ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان قائم کی جو آج تک خطبوں میں پڑھی جاتی ہے۔

اس بدعت کے ۵۹ برس تک حکماً جاری رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علیؑ اور اولاد علیؑ کو اہل دمشق کی اکثریت مجسمہ معائب اور امیر معاویہ اور ان کی اولاد کو مجموعۂ فضائل سمجھنے لگی اور ان کے اس عقیدہ کے خلاف جو بھی زبان سے کوئی کلمہ نکالتا اس سے وہ لوگ انتہائی

بدسلوکی کے ساتھ پیش آتے" علامہ ابن خلکان نے اس ضمن میں تذکرہ امام نسائی کے ترجمہ میں جو بنو امیہ کی سلطنت کے ختم ہو جانے کے ۱۵۰ برس بعد ہوئے ہیں اپنی کتاب "وَفیاتُ الاعیان" میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل دمشق کے دلوں پر بنو امیہ کی فضیلتوں کا کس درجہ سکہ جما ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

اَلْاِمامُ عَبْدُالرَّحمٰنِ بْنُ شُعَیْبَ النَّسائی خَرَجَ اِلیٰ دِمَشْقَ وَدَخَلَ فَسُئِلَ عَنْ مُعَاوِیَۃَ وَمَا رُوِیَ مِنْ فَضَائِلِہٖ فَقَالَ مَا اَعْرِفُ لَہٗ فَضِیلَۃً اِلَّا لَا اَشْبَعَ اللّٰہُ بَطْنَہٗ۔ فَمَا زَالُوا یَدْفَعُوْنَ فِی خُصْیَتِہٖ حَتّٰی اَخْرَجُوْہُ مِنَ الْمَسْجِدِ"	امام عبدالرحمٰن بن شعیب نسائی ایک مرتبہ دمشق گئے اور مسجد میں داخل ہوئے لوگوں نے ان سے امیر معاویہ اور ان کے فضائل کی بابت دریافت کیا انہوں نے کہا کہ مجھے ان کی اس فضیلت کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اللہ ان کے شکم کو سیر نہ کرے۔ یہ سنکر اہل دمشق ان کے خصیوں پر لاتیں مارنے لگے تا اینکہ انہیں مسجد سے نکال دیا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اس ماحول کا پروردہ اور تربیت یافتہ ہو گا اور پھر اسے ابن تیمیہ جیسی ہستی سے شرف تلمذ ہو گا وہ علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل و مناقب کو دباتے اور امیر معاویہ اور ان کی اولاد کے

کردار کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کرے گا خواہ اس سلسلہ میں اس کو جمہور مورخین کی متفقہ رائے سے اختلاف ہی کرنا پڑے۔

علامہ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یہی کچھ کیا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں جہاں متقدمین اور متاخرین ثقہ مورخین اور ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے وہاں نہ ابن کثیر کو مورخین کی صف میں پیش کیا ہے اور نہ کہیں ان کی کتاب "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ دیا ہے اسی طرح پروفیسر ہٹی نے اپنی مشہور تاریخ عرب میں تمام معتبر مورخین سے اخذ مطالب کیا ہے حتیٰ کہ ابن طقطقی کی نہایت مختصر تاریخی کتاب الفخری تک کو نظر انداز نہیں کیا لیکن علامہ ابن کثیر یا ان کی تاریخ البدایہ والنہایہ کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ ایسے کھلم کھلا طرفدار بنی امیہ کے کسی قول کو جو علیؓ یا اولاد علی کے خلاف ہو اس وقت تک کوئی منصف مزاج قبول نہیں کرے گا جب تک کہ اس کی تائید ثقہ اور معتبر مورخین کے اقوال سے نہ ہوتی ہو۔ فاضل مؤلف مولوی محمود احمد عباسی نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر کے اپنے مقصد زیر نظر کی پیش رفت میں علامہ ابن کثیر کے اقوال کو البدایہ والنہایہ سے نہایت آزادی کیساتھ سند میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے مذکورہ صدر ذہنی میلان کی کیفیت کو عمداً قارئین سے چھپایا ہے۔ کیا کسی موضوع پر تحقیق کا یہ ہی طریقہ ہوتا ہے۔

جمہرۃ الانساب للعلامہ ابن حزم

علامہ ابن حزم تیسری ہستی ہیں جن کو فاضل مولّف محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے لئے منتخب کیا ہے اور ان کی کتاب "جمہرۃ الانساب" سے جا بجا اقوال پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بنو علی اور بنو امیہ میں باہمی رشتہ ناتے ہوتے تھے اور اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بنو علی پر بنو امیہ کے ظلم و ستم کی جو داستانیں تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ یا سرے سے غلط ہیں یا ان میں بیحد مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اگر تاریخ سے یہ ثابت ہو جائے کہ ابن حزم ایک غیر جانبدار شخصیت کے حامل ہیں اور ان کو حقائق تاریخ کے علاوہ نہ علی اور اولاد علی سے کوئی غرض ہے اور نہ معاویہ اور بنو امیہ سے کوئی واسطہ ہے تو انہوں نے "جمہرۃ الانساب" میں جو کچھ لکھا ہے اس کو وقعت کی نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس یہ ثابت ہو جائے کہ وہ علیؑ اور اولاد علیؑ سے دشمنی اور امیر معاویہ اور بنو امیہ سے ہمدردی رکھتے تھے تو ان کا کوئی قول جو اہلبیت رسول کے خلاف اثر انداز ہوتا ہو، اہل انصاف کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

آیئے اب دیکھیں کہ یہ ابن حزم کون ہیں ان کا پورا نام ابو محمد بن احمد بن سعید بن حزم ہے یہ سنہ ۳۸۴ھ مطابق سنہ ۹۹۴ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۴۵۶ھ مطابق سنہ ۱۰۶۴ء میں فوت ہوئے انکے

کے جد امجد اسپین کے عیسائی تھے جو مسلمان ہو گئے تھے ابن حزم کی نشو نما اور تعلیم و تربیت اندلس ہی میں ہوئی جہاں بنو امیہ حکمران تھے یہ اندلس کے اموی خلیفہ عبدالرحمٰن پنجم اور المستظہر اور ہشام المعتد کے وزیر رہے (تاریخ عرب ہٹی ص ۵۵۸)

یہ خوفناک طریقے سے بنو امیہ کے حامی تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ حصہ اول ص ۳۸۶)

بنو امیہ کی حمایت کا لازمی نتیجہ علیؑ اور اولاد علیؑ کے ساتھ عداوت ہے علامہ ابن حزم عداوت علی میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں تمام دنیائے اسلام اس پر متفق ہے کہ حضرت علیؑ کا قاتل ایسا ہی بدبخت ہے کہ جیسا احیمر قوم ثمود میں تھا جس نے ناقہ صالح کو پے کیا اور اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بھی شاہد ہے علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

أَخْرَجَ أَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنْ عَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ رض أَنَّ النَّبِيَّ ص قَالَ لِعَلِيٍّ أَشْقَى النَّاسِ رَجُلَانِ أُحَيْمِرُ ثَمُودَ الَّذِي عَقَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي يَضْرِبُكَ يَا عَلِيُّ! عَلَى هٰذِهِ يَعْنِي قَرْنَهُ حَتَّى تُبْتَلَّ

امام احمد اور حاکم نے صحیح اسناد سے حضرت عمار یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے حضرت علی سے فرمایا بدبخت ترین انسان دو ہیں ایک قوم ثمود کا احیمر جس نے ناقہ صالح کی کوچیں کاٹ ڈالی تھیں اور دوسرا وہ شخص ہے

مِنْهُ هٰذِہٖ یعنی لِحْیَتَہٗ۔ کہ جو تمہارے سر کو تلوار لگائے گا
جس سے تمہاری ڈاڑھی خون سے
تر ہو جائے گی۔

لیکن علامہ ابن حزم نے باوجود اپنے علم و کمال کے بنو امیہ کی حمایت اور دوستی میں حضرت علیؑ سے اس قدر نفرت و عداوت کا مظاہرہ کیا کہ خارجیوں سے ہمنوا ہو کر یہ اعلان کر دیا کہ حضرت علیؑ کو قتل کرنے میں عبدالرحمٰن بن ملجم نے خطا فی الاجتہاد کی تھی جس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہے کہ قتل علی میں ابن ملجم کی نیت تو نیک تھی لیکن اس سے معاملہ فہمی میں غلطی ہو گئی اس لئے وہ قاتل علیؑ ہوتے ہوئے بھی نعمائے جنت سے بہرہ یاب ہوگا۔
علامہ ابن حزم کا دشمنی علی میں یہ ایسا مکروہ اقدام تھا کہ علمائے اسلام نے اس کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا چنانچہ علامہ محمد اسمٰعیل بن صالح بن امین الیمنی المتوفی ۱۱۸۲ھ اپنی کتاب "روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ" میں لکھتے ہیں۔

"وَمَا دَعْوَی الْاِجْتِہَادِ لِمُعَاوِیَۃَ فِیْ قِتَالِہٖ اِلَّا کَدَعْوَی ابْنِ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ مُلْجِمٍ اَشْقَی الْاٰخِرِیْنَ مُجْتَہِدٌ فِیْ قَتْلِہٖ لِعَلِیٍّ کَمَا حَکَاہُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ تَلْخِیْصِہٖ وَاِذْ کَانَ مَنْ اَرْتَکَبَ ھَوَاہُ وَنَفَقَ بَاطِلًا یَرُوْجُ بِہٖ مَا یَرَاہُ اِجْتِہَادًا"

لَمْ یَبْقَ فِی الدُّنْیَا مبطلٌ وَلَا یَاتِ اَحَدٌ مُنْکَراً اِلَّا وَقَدْ اَهَبَ لَهٗ عُذْراً۔

مذکورہ بالا عربی عبارت کا ترجمہ ہم علامہ عبید اللہ امرتسری کی کتاب ارجح المطالب کے ص ۳۰۷ سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

"اور معاویہ کے لئے ان کے جنگ کے بارے میں اجتہاد کا دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسا کہ ابن حزم باوجود اس قدر علم و فضل کے ابن ملجم اشقی آلاخرین کو جناب امیرؑ کے قتل میں مجتہد قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر نے تلخیص میں ابن حزم سے اس بات کو نقل کیا ہے، جب کہ کوئی شخص اپنے ہوا و ہوس کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہذیان بکنا شروع کرے تو جس کو چاہے اجتہاد کہے ایسی تاویلات سے تو دنیا میں کوئی امر باطل نہیں رہ سکتا جس کے لئے عذر نہ گھڑ لیا جائے۔"

چونکہ علامہ ابن حزم بقول پروفیسر ہٹی اپنے عہد کے بہترین زرخیز دماغ رکھنے والے انسان تھے اس لئے انہوں نے اپنے ممدوح بنو امیہ کی اہلبیت رسول کے ساتھ غلط روش پر پردہ ڈالنے کے خیال سے کچھ فرضی اور مصنوعی قرابتیں وضع کیں جن سے بنو امیہ اور اولاد علی کی رشتہ داری ثابت ہو اور ان کو اپنی کتاب

"جمہرۃ الانساب" میں داخل کر دیا تاکہ قارئین بنوامیہ کے مظالم کی داستانیں پڑھتے ہوئے ٹھہر کر یہ سوچنے لگیں کہ کیا قرابت داری ہوتے ہوئے بھی اولادِ علیؑ پر ایسے مظالم ہونا ممکنات میں سے ہے۔ فاضل مولف مولوی محمود عباسی نے بھی یہی کیا ہے، انہوں نے عام لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے ان فرضی قرابتوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے تاکہ ان کے مقصد زیر نظر میں مدد ملے اور بنوامیہ سے بدنامی دور ہو۔ اگر ان میں کوئی حقیقت ہوتی تو فاضل مولف "جمہرۃ الانساب" کی ان قرابتوں کی تائید میں جو بنوامیہ اور بنوعلی میں بتلائی گئی ہیں انساب کی معتبر کتابوں مثلاً کتاب الانساب سمعانی وغیرہ سے شہادت پیش کرتے لیکن مولوی عباسی صاحب کو تو اپنے مقصد زیر نظر کی بہر صورت تائید مد نظر ہے چنانچہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ علمائے اسلام کی نظر میں ابن حزم کی کوئی کتاب قابل اعتماد نہیں ہے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے اس کی کتاب جمہرۃ الانساب کو اپنی کتاب کے لئے ماخذ قرار دے ڈالا۔

علمائے اسلام کی نظروں میں ابن حزم کی کیا وقعت ہے، اس کے بارے میں ہم ابن خلدون کا قول ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو فاضل مولف کے نزدیک نہایت معتبر مورخ ہے وہ اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

"قائلین قیاس میں وہ پیشوا جن کا خیال باقاعدہ مذہب کی

صورت میں رواج پذیر ہوا، حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں جو اپنے فرقہ کے سرتاج اور سرکردہ ہیں، اُدھر حجاز میں حضرت امام مالکؒ کا نام نامی اور ان کے بعد حضرت امام شافعیؒ کا اسم گرامی سب سے پہلے سامنے آتا ہے۔ انہیں بزرگوں کے مذاہب دنیا میں بہت رائج ہوئے، اس کے بعد منکرین قیاس کا طائفہ پیدا ہوا۔ جنہوں نے قیاس پر عمل کرنے کو سراسر لغو بتایا۔ ان منکرین قیاس کو "ظاہریہ" کے نام سے پکارا گیا۔ اس مذہب ظاہریہ کے امام داود بن علی اور اس کی اولاد واصحاب ہوئے۔ اور اہل ظاہر کا تو یہ حشر ہوا کہ ان کے ائمہ کے ختم ہوتے ہی ان کا مذہب صفحۂ ہستی سے ایسا مٹا کہ اب تک اس میں کوئی جان نہیں پڑی محض کتابوں میں لکھا پڑا ہے۔ کیڑوں کی غذا بن رہا ہے اور اب آج اگر کوئی طالب علم ان کی کتابوں سے ان کا فقہ اور ان کا مذہب سیکھنے بیٹھتا ہے تو وہ حقیقت میں وقت کو رائیگاں کھوتا ہے اور جمہور امت کو مخالفت کے لئے چیلنج دیتا ہے اور امت کی طرف سے بدعتی کا نام بد حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ ابن حزم کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ گو حفظ حدیث میں اس کا پایہ بلند تھا مگر وہ مذہب اہل ظاہر کی طرف ڈھل گیا

اور اس میں وہ مہارت و حذاقت حاصل کی کہ امام فرقہ داود سے بھی جا بجا اس نے خلاف کیا ادھر ائمہ مسلمین سے اس کی نوک جھونک رہی۔ ائمہ اسلام نے اس کو بری نظر سے دیکھا اور اس کے مذہب کو لغو ثابت کر کے توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ اس کی کتابوں کی کوئی وقعت نہ تھی اور ان کو کوئی چھوتا نہیں تھا بازار میں بکنے آتیں تو کوئی خریداری پر راضی نہیں ہوتا اور کبھی ہاتھ پڑ جاتیں تو پھاڑ دی جاتیں۔"

(اردو ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴۶۸)

ابن حزم جیسے دشمن علیؑ اور اولاد علیؑ کی کتاب "جمہرۃ الانساب" کو جس کو ائمہ مسلمین نے فاسد العقیدہ مسلمان سمجھا اور جس کی کتابوں کو انہوں نے ناقابل اعتبار سمجھ کر ٹھکرا دیا، علیؑ اور اولاد علیؑ کے مقابلہ میں بطور سند پیش کرنا فاضل مولف کا ہی مسلک تحقیق ہو سکتا ہے۔

العواصم والقواصم ابن العربی

العواصم والقواصم چوتھی کتاب ہے جس کو فاضل مولف مولوی عباسی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تالیف کے لئے منتخب کیا ہے اور اس کتاب کے اقوال کو بھی جا بجا بطور سند پیش کیا ہے۔ اہلبیت کے مقابلہ میں یہ اقوال اسی وقت دلیل قرار پا سکتے ہیں۔ جب کہ ان کا مصنف

اہلبیت سے عقیدت رکھتا ہو یا کم از کم غیر جانبدار ہو۔ آیئے دیکھیں کہ آیا کتاب العواصم والقواصم کا مصنف ابن العربی ان شرائط پہ پورا اترتا ہے۔

ابن العربی کا پورا نام قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی ہے ان کے متعلق علامہ ابن خلدون اپنے مشہور و معروف مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

وَقَدْ غَلَطَ الْقَاضِیْ اَبُوْبَکْرِ بْنُ الْعَرَبِیِّ الْمَالِکِیُّ فِیْ هٰذَا فَقَالَ فِیْ کِتَابِهِ الَّذِیْ سَمَّاهُ بِالْعَوَاصِمِ وَالْقَوَاصِمِ اِنَّ الْحُسَیْنَؑ قُتِلَ بِشَرْعِ جَدِّهٖ وَهُوَ غَلَطٌ حَمَلَتْهُ عَلَیْهِ الْغَفْلَةُ عَنْ اشْتِرَاطِ الْاِمَامِ الْعَادِلِ وَمَنْ اَعْدَلُ مِنَ الْحُسَیْنِؑ فِیْ زَمَانِهٖ فِیْ اِمَامَتِهٖ وَعَدَالَتِهٖ فِیْ قِتَالِ اَهْلِ الْآرَاءِ۔

مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص ۱۸۹ مطبوعہ مصر

اس مسئلہ پر قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے اپنی کتاب عواصم وقواصم میں جو خیال آرائی کی ہے وہ حق و صداقت سے بعید ہے کہ کہا ہے کہ امام حسینؑ اپنے نانا کی شریعت کے بموجب قتل ہوئے یہ غلطی یوں سرزد ہوئی کہ قاضی موصوف نے امام عادل کی شرط سے غفلت برتی ہے سچ پوچھئے تو اہل الرائے سے لڑنے کے لئے امام حسینؑ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ کون امامت و عدالت کی رو سے حقدار ہو سکتا تھا۔ (اردو ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ نور محمد کراچی)

مذکورہ بالا عبارت سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اوّل یہ کہ کتاب العواصم والقواصم کا مولف ابن العربی جس کو مولوی محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی کتاب کے لئے منتخب کیا ہے امام حسین علیہ السلام کا سخت ترین دشمن اور یزید کا شدید ترین حامی تھا اور اس غلط نصب العین کی وجہ سے علامہ ابن خلدون نے اسکو ٹھکرا دیا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ علامہ ابن خلدون کی رائے میں امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار کرنے میں حق بجانب تھے اور شریعت اور اسلام کو بچانے کے لئے ان سے زیادہ یزید سے لڑنے میں اور کوئی حقدار نہیں تھا۔

ان حقائق سے فاضل مولف مولوی محمود احمد صاحب عباسی انکار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ابن خلدون کی رائے ہے جس کے بارے میں انہوں نے اپنی کتاب کے عنوان "عرض مولف" میں لکھا ہے کہ اس نے وضعی روایات کو نقد روایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

جب صورت حال یہ قرار پاتی ہے کہ ابن خلدون کی رائے پختہ اور پرکھی ہوئی ہے تو کتاب العواصم والقواصم سے اقوال نقل کر کے فاضل مولف کی یہ ثابت کرنے کی تمام سعی وکوشش کہ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا ایک بے معنی چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تالیف میں غیر معتبر کتابوں کا استعمال

فاضل مولف مولوی محمود احمد عباسی کی اُن منتخب کردہ چار کتابوں کی قدر و قیمت ہدیہ ناظرین کی جا چکی ہے جو ان کے خیال میں ان کی کتاب کے لئے اتنی ہی اہم نہیں جتنی جسم انسانی کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے انہوں نے اپنی کتاب کی تدوین میں جس کو وہ ایک تحقیقی کارنامہ سمجھتے ہیں غیر معتبر اور روایت کی حیثیت سے کم رتبہ کتابوں سے اخذ مطالب کرنے میں بھی باک نہیں کیا ہے اس کی تائید میں ہم دو ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عباسی صاحب نے بہت سے مقامات پر شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب "ازالۃ الخفا" سے اقوال نقل کر کے انہیں بطور سند پیش کیا ہے اور ان اقوال کو تائیدی شہادتوں سے موثق نہیں کیا حالانکہ اس کتاب کو یہ اہمیت حاصل نہیں ہے کہ اس کی روایات کو دیگر معتبر کتابوں کی تصدیق کے بغیر قبول کیا جائے۔ علامہ شبلی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں۔

جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض النضرہ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے۔ اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے لی گئی ہے (الفاروق حصہ اوّل ص ۳۰ مطبوعہ تاج کمپنی)

۲۔ اسی طرح فاضل مولف نے کئی جگہ کتاب الاغانی للعلامہ ابوالفرج اصفہانی سے اقوال نقل کرکے انہیں اپنے مقصد پیش نظر کی تائید میں بطور سند پیش کیا ہے اس کتاب کی قدر و قیمت کے متعلق ہم قاضی اطہر مبارکپوری کا تبصرہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں

آپ (محمود احمد عباسی) نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی سے استفادہ کیا ہے معلوم نہیں الاغانی جیسی گانے بجانے اور قصہ کہانی کی کتاب کس طرح آپ کے نزدیک معتبر اور مستند بن گئی۔

(ماہنامہ فاران کراچی بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۰ئہ

امید ہے کہ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں ہر منصف مزاج شخص کو اس رائے کے قائم کرنے میں سہولت ہوگی کہ آیا مولوی عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ یزید" تحقیقی کارنامہ ہے یا بغض اہلبیت کا شاخسانہ۔

یزید ابن معاویہ کے کردار پر تنقید

مولوی محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ ویزید" میں اجلہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے خلاف اس امر کو ثابت کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کی ہے کہ یزید ابن معاویہ نیکوکار شخص تھا اور تمام احکام شریعت کی پوری طرح تعمیل کرتا تھا۔ انہوں نے اپنے ممدوح یزید کو نواسۂ رسول جناب امام حسینؑ کے قتل کرنے، مدینۃ النبی میں قتل و غارت کر کے اصحاب رسول مقبول پر بے پناہ مظالم ڈھانے، اور کعبۃ اللہ کی ہتک حرمت کرنے کے الزامات سے جن کی تفصیلات تمام معتبر اسلامی تاریخوں میں محفوظ ہیں بری کرنے کی جان توڑ کوشش کی ہے اس سلسلہ میں انہوں نے مصنفین کی صف میں سے خاص طور سے ابن کثیر کو منتخب کیا ہے اور ان کی کتاب "البدایہ والنہایہ" سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے لیکن ہم اس سے قبل تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ابن کثیر بنوامیہ کے شدید حامی اور اہل بیت رسول کے سخت مخالف تھے اس لئے ان کے اقوال یزید کی بریت کے بارے میں مستند نہیں ہو سکتے مزید براں فاضل مولف

نے اپنی کتاب میں انسائی کلو پیڈیا آف اسلام سے دو غیر مسلم مستشرق اور انسائی کلو پیڈیا آف برٹینکا سے پروفیسر ڈی خوئے کے چند اقتباسات پیش کر کے یہ دکھلایا ہے کہ ان لوگوں نے بھی یزید کی شخصیت اور اس کے طرز جہانبانی کو سراہا ہے۔ اس منزل میں فاضل مولف نے اس حقیقت کو واشگاف کرنے سے عمداً پہلوتہی کی ہے کہ امیر معاویہ اور یزید کا طرز حکومت مستشرقین کے نزدیک مستحسن ہونے سے مستحسن نہیں قرار پاتا یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان کے یہاں مذہب اور ریاست دو جداگانہ چیزیں ہیں اور وہی حکمراں ان کے اصول کے مطابق قابل تحسین وستائش ہے جو استحکام حکومت کی خاطر وقت ضرورت مذہب تک کو ریاست کی بھینٹ چڑھانے میں پس و پیش نہ کرے۔ لیکن اسلام اس طرز حکومت کو قابل صد نفرت و ملامت سمجھتا ہے جو بقائے ملک و حکومت کے لئے احکام دین کی بے حرمتی اور بیگناہوں کا خون بہانا جائز قرار دیدے اور یزید کے کردار کا یہی طرۂ امتیاز ہے

فاضل مولف نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ یزید ایک خداترس شخص تھا اور اس کی خلافت اصول اسلام کے مطابق منعقد ہوئی تھی اور امام حسین نے اس کی بیعت سے انکار کر کے غلطی کی۔ ناحق اپنی کتاب کے سیکڑوں صفحات سیاہ کئے اگر وہ محض اس خطبہ کو پڑھنے کی زحمت گوارا کر لیتے جو معاویہ بن یزید نے اپنی مسند نشینی کے چند روز بعد جامع دمشق میں اکابر بنوامیہ اور دیگر

لوگوں کے سامنے دیکر خلافت سے دست برداری اختیار کی تھی اور ہمیں یقین ہے کہ وہ خطبہ انہوں نے ضرور پڑھا ہے لیکن چونکہ اس سے ان کے مقصد زیر نظر کی تائید نہیں ہوتی اس لئے انہوں نے اسے عمداً نظر انداز کر دیا) تو ان پر امام حسین اور یزید کے کردار کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہم اس خطبہ کو علامہ عبداللہ العادی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کی تاریخ اسلام سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

چالیس روز کے لئے یا دوسرے قول پر چار مہینے کے لئے معاویہ بن یزید بن معاویہ بادشاہ ہوئے انہوں نے لوگوں کو خطبہ سنایا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا۔ اما بعد اے لوگو! ہم تم سے مبتلا ہو گئے اور تم ہم سے مبتلا ہو گئے۔ تمہیں ہم سے جو ناگواری اور تمہارے ہم پر جو اعتراضات ہیں ہم ان سے ناواقف نہیں ہیں۔ آگاہ ہو کہ میرے دادا معاویہ بن ابی سفیان نے امر خلافت میں ایک ایسے شخص سے جھگڑا کیا جو ان سے قرابت رسول میں اولیٰ تھے اور جو اسلام میں سب سے زیادہ مستحق تھے، مسلمانوں میں سابق اور مومنین میں اول تھے۔ رسول رب العلمین کے چچا کے بیٹے تھے اور خاتم المرسلین کے فرزندوں کے والد تھے۔ انہوں نے تمہارے ساتھ جو

کچھ کیا وہ بھی تم جانتے ہو اور جو تم نے ان کے ساتھ کیا
تمہیں اس سے بھی انکار نہیں۔ یہاں تک کہ ان کی موت
آگئی اور وہ اپنے عمل کی ذمہ داری کے ساتھ چلے گئے
اس کے بعد میرے والد سردار بنائے گئے، وہ خیر کیلئے
پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے اپنی نفسانی خواہش کا
ارتکاب کیا، اپنی خطا کو اچھا جانا اور اپنی امیدوں کو
بڑھا لیا، ان کی آرزو نے انہیں پیچھے کر دیا اور اجل نے
ان سے سب کو مختصر کر دیا۔ ان کی قوت کم ہو گئی اور ان
کی مدت ختم ہو گئی۔ وہ اپنی قبر میں اپنے گناہ کے
ذمہ دار اور اپنے جرم کے قیدی بن کر چلے گئے۔
اس کے بعد وہ رونے لگے اور کہا جو چیز ہم پر سب سے
زیادہ گراں ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کی بری موت اور
خراب واپسی کو جانتے ہیں، انہوں نے اولاد رسول کو قتل
کیا، حرمت کو مباح کر لیا اور کعبہ میں آگ لگا دی،
میں تمہارے امور کا بار اپنی گردن میں ڈالنے والا نہیں
ہوں اور نہ تمہارے آئندہ امور کا متحمل ہوں لہذا تمہیں
اپنے معاملہ کا اختیار ہے کیونکہ واللہ اگر دنیا کوئی مال غنیمت
ہے تو ہم نے اس سے کافی حصہ لے لیا ہے اور اگر وہ
شر ہے تو آل ابی سفیان کو وہی کافی ہے جو انہوں

اس سے پالیا۔" تاریخ اسلام مولفہ علامہ عبداللہ العمادی ص ۲۹۰-۲۹۱)

کیا یزید کے کردار پر خود اس کے بیٹے معاویہ کے بیان سے جس میں اس نے یزید کو اس کے صحیح خدوخال میں پیش کیا ہے۔ کوئی اور بہتر شہادت متصور ہو سکتی ہے۔ معاویہ بن یزید کا یہ خطبہ حیواۃ الحیوان مولفہ علامہ دمیری جلد اوّل ص ۵۲۔

تاریخ الخمیس مولفہ علامہ حسین دیار بکری جلد ۲ ص ۳۳۵-۳۳۶- صواعقہ محرقہ مولفہ علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۴ پر قریب قریب اسی عبارت میں منقول ہے۔

معاویہ بن یزید ہی وہ واحد ہستی نہیں ہے جس نے کردار یزید کو نفرت کی نظر سے دیکھا ہے عمر ابن عبدالعزیز اموی خلیفہ بھی جو اپنے زہد و ورع میں مشہور ہیں یزید کی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفا میں عمر ابن عبدالعزیز کے عہد کا ایک واقعہ لکھا ہے ہم اس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

نوفل بن ابی فرات کہتے ہیں کہ میں عمر ابن عبدالعزیز کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے متعلق امیر المومنین یزید کا یہ قول ہے عمر ابن عبدالعزیز نے کہا کیا! تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے

پھر حکم دیا کہ اس کے ۲۰ درے لگائے جائیں۔ اور اسے یہ سزا دی گئی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۶۰ مطبوعہ مطبع نور محمد کراچی)

اس قدر معتبر اور معتمد علیہ شہادتوں کے ہوتے ہوئے فاضل مولف مولوی محمود احمد عباسی کا یہ کہنا کہ یزید کی خلافت اصول اسلام کے مطابق منعقد ہوئی تھی اور وہ راہ صواب پر تھا اور امام حسین کا اس کی بیعت سے انکار کرنا بغاوت کے مترادف تھا اور اس طرح ان کا اور ان کے اصحاب واعزا کا قتل کیا جانا ارشاد نبوی کے مطابق تھا در اصل قاضی ابوبکر بن العربی کے اس قول سے ہمنوا ہونا ہے کہ حسین ؑ اپنے جد امجد کی تلوار سے قتل کئے گئے یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ

۱۔ قاضی ابوبکر ابن العربی اور انکا اتباع ہیں عباسی صاحب کے اس قول کی کیا حیثیت ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا۔ اور امام حسین ؑ نے اس کی بیعت سے انکار کر کے غلطی کی اور وہ مطابق حکم شریعت قتل کئے گئے۔!

۲۔ اجلۂ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ابن العربی اور ان کے اتباع میں فاضل مولف سے مذکورہ قول کا صدور کیوں ہوا؟

۳۔ کیا اس قول کے پردہ میں کوئی فرقہ وارانہ عصبیت کارفرما تھی

ان سوالات کا جواب ہم علامہ آلوسی مفتی بغداد کی تفسیر روح المعانی سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی کا پورا نام شہاب الدین سید محمود آلوسی ہے یہ بغداد کے مفتی اعظم تھے۔ اور سنہ ۱۲۷۰ھ میں فوت ہوئے انہوں نے تیس جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے جس کا نام تفسیر "روح المعانی" ہے اس تفسیر کی سولہویں جلد کے صفحہ ۷۳ پر علامہ موصوف نے ابن العربی کے مذکورہ صدر قول کا ذکر کرتے ہوئے بحوالہ علامہ ابن جوزی لکھا ہے۔

وَاَبُوبَکْرِ بْنُ الْعَرَبِیِّ اَلْمَالِکِیُّ عَلَیْهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی مَا یَسْتَحِقُّ اَعْظَمَ الْفِرْیَةِ، فَزَعَمَ اَنَّ الْحُسَیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قُتِلَ بِسَیْفِ جَدِّهٖ صلعم وَلَهٗ مِنَ الْجَهَلَةِ مُوَافِقُوْنَ عَلٰی ذٰلِكَ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا، قَالَ ابْنُ جَوْزِیْ فِیْ کِتَابِهٖ سِرِّ الْمَصُوْنِ الْاِعْتِقَادَاتُ الْعَامَّةُ الَّتِیْ غَلَبَتْ عَلٰی جَمَاعَةٍ اَنْ یَّقُوْلُوْنَ اِنَّ یَزِیْدَ کَانَ عَلَی الصَّوَابِ

ابوبکر بن العربی المالکی نے (ان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ نازل ہو جس کے وہ مستحق ہیں) سخت ترین بہتان تراشا ہے کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کیے گئے۔ اور اس افترا پردازی میں از راہ جہالت اُن سے کچھ لوگوں نے اتفاق بھی کیا۔ یہ ایک بہت ہی سنگین بات ہے جو اُن کی زبان سے نکلتی ہے۔ وہ نرا جھوٹ بولتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے کتاب سر المصون میں لکھا ہے کہ عامی عقیدہ جو ایک گروہ میں راسخ ہو گیا ہے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یزید راہ صواب پر تھا

وَاِنَّ الحسین علیہ السلام
اَخطا بالخروج علیہ لو نظروا
فی سیر تعلموا کیف عقدت
لہ البیعۃ، و اُلزم الناس
بہا، و تفعل فی ذلک
کل قبیح، ثم لو قدرنا صحۃ
عقد البیعۃ فقد بدت منہ
بوادر کلہا توجب فسخ العقد
ولا یمیل الی ذلک الا کل جاہل
عامی المذہب یظن انہ یغیظ
بذلک الرافضۃ "

اور حسینؑ نے خروج کرنے میں غلطی کی۔ اگر یہ گروہ کتب سیر کو بغور دیکھ لیتا تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یزید کی بیعت کس طرح منعقد ہوئی اور کس طرح لوگوں کو اس پر مجبور کیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس بیعت کے سلسلے میں ہر فعل قبیح کو کام میں لیا گیا۔ پھر اگر انعقادِ بیعت یزید کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے ایسی ایسی خرابیاں سرزد ہوئیں جن میں سے ہر ایک فسخ بیعت کے لئے کافی تھا۔ ابن عربی کے اس عقیدہ کی طرف سوائے جاہل اور اس شخص کے جو مذہب کی طرف سے اندھا ہو گیا ہو۔ جو اس تدبیر سے یہ خیال کرتا ہو کہ وہ روافض بھڑکا سکے گا۔

علامہ سید آلوسی کی اس عبارت میں مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب موجود ہے سید صاحب کے نزدیک علامہ ابن جوزی کے حوالہ سے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت نہایت جبر و اکراہ سے عمل میں آئی تھی اور اس کے علاوہ اس سے وہ وہ فعل شنیع صادر ہوئے کہ جس سے اس کی بیعت کو فسخ کرنا واجب ہو جاتا تھا۔ ان

حالات میں امام حسین علیہ السلام کا اس کی بیعت نہ کرنا اور اس سے حفاظت دین حفاظت قرآن وسنت کے لئے جنگ کرنا عین ثواب اور حق بجانب تھا۔ جو لوگ تاریخ و سیر کے ان مسلمہ واقعات پر پردہ ڈال کر یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ اپنے جدّ امجد کی تلوار سے قتل ہوئے ان کے اس قول کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ انہوں نے سخت ترین بہتان تراشا اور سفید جھوٹ بولا۔

۲۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس غلط عقیدہ کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں کہ جو جہالت کا شکار ہوں یا جن کو راہ ہدایت نظر آتی ہو

۳۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی غیر ذمہ دار باتوں کے کہنے والوں کا منشاء اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ ان باتوں سے اسلام کے مختلف فرقوں میں باہمی کشیدگی پیدا کر دیں۔

لیکن فاضل مولّف کو تجربہ ہو گیا ہو گا کہ اقامت دین اور احیائے سنت حضرت ختم المرسلین کے سلسلہ میں جو عدیم المثال خدمات اور قربانیاں حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیش کی ہیں ان کے اس قدر گہرے نقوش امت مسلمہ کے قلوب پر مرتسم ہیں کہ وہ ان خدمات اور قربانیوں کے اعتراف کے منافی کسی گفتگو کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ملّت کے نزدیک اسوۂ حسین وہ متاع گراں بہا ہے کہ جس کے بارے میں ادھر فاضل مولّف نے زبان تحقیر و تنقیص کو جنبش دی اور ادھر پوری امت مسلمہ تڑپ اٹھی اور ہندوستان و پاکستان کے بہت سے مقامات سے

ان کی کتاب کی تردید میں کتابیں شائع ہو ہیں۔ اگر حسینؑ صرف روافض کی متاع ہوتے تو وہی مولف کی کتاب کا جواب دیتے لیکن جتنی کتابیں آج تک مولوی عباسی صاحب کی تالیف کی رد میں شائع ہوئی ہیں وہ سب علمائے اہل سنت والجماعت کی قلم حقیقت رقم کا کارنامہ ہیں۔ دراصل امام حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ قربان کر کے یزیدی استبدادیت پر وہ کاری ضرب لگائی کہ حریت کے مردہ قالب میں جان پڑ گئی اور آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے جو حریت کی آواز بلند ہو رہی ہے وہ انہیں کی فقید المثال قربانی کا اثر ہے۔

اگر حسین علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو انسانیت طاغوت پرستی کے اطواق و سلاسل میں جکڑی ہوئی نظر آتی۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

در نوائے زندگی سوز از حسین

اہل حق حریت آموز حسین

جہاد قسطنطنیہ اور بشارتِ مغفرت معاویہؓ یزید پر تنقید

فاضل مؤلف مولوی محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب "خلافت معاویہؓ یزید" میں ص۲۱ سے ۳۰ تک پورے دس صفحات اس بات کے ثابت کرنے میں صرف کئے ہیں کہ امیر معاویہ اور یزید دونوں کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان حقیقت ترجمان سے جنت اور مغفرت کی بشارت دی تھی اس سلسلہ میں انہوں نے دو حدیثوں کو بطور سند پیش کیا ہے۔ جن میں سے ایک صحیح بخاری میں کتاب الجہاد باب الدعاء بالجہاد للرجال والنساء کے تحت مندرج ہے اور دوسری کتاب الجہاد ہی میں "باب ما قیل فی قتال الروم" کے تحت منقول ہے۔

ہم ان دونوں حدیثوں کو صحیح بخاری سے قارئین کی سہولت کے لئے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حدیث اوّل۔ کتاب الجہاد بابُ الدعاء بالجہاد للرجال والنساء

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ عَنْ مَالِکٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّہٗ سَمِعَہٗ یَقُوْلُ کَانَ رَسُوْلُ

امام بخاری عبداللہ بن یوسف سے، وہ مالک سے، وہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے، روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ کی یہ عادت

اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ
مِلْحَانَ، فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ
اُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ
الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِيْ رَأْسَهُ
فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ
يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ وَمَا
يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ
نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ
غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَرْكَبُوْنَ
ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكًا عَلَى الْاَسِرَّةِ
اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ
شَكَّ اِسْحٰقُ، قَالَتْ فَقُلْتُ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ
مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ

تھی کہ آپ اُمّ حرام بنت ملحان کے گھر
تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور وہ آپ
کو کھانا کھلایا کرتی تھیں اور اُمّ حرام عبادہ
بن صامت کے نکاح میں تھی۔ اپنی عادت
کے موافق ایک دن رسول اللہ صلعم ان
کے پاس گئے۔ انھوں نے حضرت کو کھانا
کھلایا اور وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھنے
لگیں، پھر رسول خدا سو گئے اور کچھ دیر بعد
ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ اُمّ حرام کہتی
ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ
کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ
(اس وقت خواب میں) میری اُمّت کے
کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے
پیش کئے گئے جو اس دریا کے بیچ میں سوار
تھے اور تخت نشین بادشاہ معلوم ہوتے
تھے یا تخت نشین بادشاہوں کے مانند معلوم
ہوتے تھے (یہ شک اسحٰق راوی نے کیا ہے)
اُمّ حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول
اللہ آپ اللہ سے دُعا کیجئے کہ وہ مجھے ان

رَاْسَهٗ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ وَمَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ عُرِضُوْا عَلَیَّ غُزَاةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ فِی الْاَوَّلِ، قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِیْ مِنْهُمْ، قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ، فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِیْ زَمَانِ مُعٰوِيَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ، فَصُرِعَتْ عَنْ دَآبَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ"

لوگوں میں سے کر دے، پس رسول اللہ نے ان کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد پھر آپ نے اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا۔ اور سو گئے۔ بعد اس کے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں۔ فرمایا کہ پھر خواب میں میری امت کے کچھ لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش کئے گئے جیسا کہ آپ نے پہلی بار فرمایا تھا۔ ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں سے ہو۔ چنانچہ وہ معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ میں دریا میں سوار ہوئیں پھر جب دریا سے باہر آئیں تو اپنی سواری کے جانور سے گر گئیں اور مر گئیں۔

حدیث دوم ۔ کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ يَزِيْدَ الدِّمَشْقِیُّ حَدَّثَنَا يَحْيٰی بْنُ حَمْزَةَ

امام بخاری اسحق بن یزید دمشقی اور یحیی بن حمزہ سے یحیی بن حمزہ ثور بن یزید سے،

قَالَ حَدَّثَنِیْ ثَوْرُ بْنُ یَزِیْدَ
عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ اَنَّ عُمَیْرَ
بْنَ الْاَسْوَدِ الْعَنْسِیَّ حَدَّثَہٗ
اَنَّہٗ اَتٰی عُبَادَۃَ بْنَ الصَّامِتِ
وَھُوَ نَازِلٌ فِیْ سَاحِلِ حِمْصَ
وَھُوَ فِیْ بِنَاءٍ لَّہٗ وَمَعَہٗ اُمُّ
حَرَامٍ، قَالَ عُمَیْرٌ، فَحَدَّثَتْنَا اُمُّ
حَرَامٍ اَنَّھَا سَمِعَتِ النَّبِیَّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ
اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ
الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا، قَالَتْ
اُمُّ حَرَامٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ
اللّٰہِ اَنَا فِیْھِمْ، قَالَ اَنْتِ
فِیْھِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ
اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ
مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ، فَقُلْتُ اَنَا فِیْھِمْ یَا رَسُوْلَ
اللّٰہِ، قَالَ لَا

وہ خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں
کہ ان سے عمیر بن الاسود عنسی نے بیان کیا
کہ وہ عبادہ بن الصامت کے پاس گئے
جبکہ وہ ساحل حمص میں اپنے ایک محل میں
تھے اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی ام حرام
بھی تھیں۔ عمیر کہتے ہیں کہ ہم سے ام حرام
نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ کو یہ
فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سب سے
پہلے جو لوگ دریا میں جنگ کریں گے ان کے
لئے جنت واجب ہے۔ ام حرام کہتی ہیں میں
نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں ان میں
شامل ہوں گی۔ آپ نے فرمایا تم ان میں شامل
ہوگی۔ ام حرام کہتی ہیں کہ پھر آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جو
لوگ قیصر کے پایہ تخت میں لڑیں گے وہ مغفور ہیں
میں نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان میں ہوں فرمایا نہیں

فاضل مولف نے حدیث دوم کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ علامہ

قسطلانی شارح صحیح بخاری کے نزدیک "مدینہ قیصر" سے قسطنطنیہ مراد ہے اور یزید وہ پہلا شخص ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا انہوں نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ محدث المہلب کے نزدیک جس کا ذکر علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کیا ہے کہ اس حدیث میں امیر معاویہ اور یزید کی فضیلت مذکور ہے اس کے بعد انہوں نے اپنی کتاب کے ص ۲۵ پر اپنی پوری بحث کا خلاصہ درج کیا ہے کہ اس حدیث میں جو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ امیر معاویہ سے متعلق ہے جنہوں نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور جو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے وہ یزید سے متعلق ہے جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پایہ تخت قیصر پر حملہ کیا

صحیح بخاری شریف قرآن پاک کی طرح قطعی الدلالۃ نہیں ہو سکتی

بلاشبہ صحیح بخاری وہ کتاب ہے جو احادیث کے اعتبار سے تمام کتابوں میں صحیح ترین شمار کی جاتی ہے اور وہ اس صحت کی مستحق بھی ہے کیونکہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے کافی سعی و کوشش اور کدوکاوش سے قریب چھ لاکھ احادیث جمع کیں ان میں سے ہر ایک کو پرکھا اور پانچ لاکھ بانوے ہزار سات سو پچیس احادیث کو موضوع سمجھتے ہوئے رد کر دیا اور سات ہزار دو سو پچھتر احادیث کو صحیح قبول کر کے انہیں اپنی کتاب میں جگہ دی۔ ان کی یہ عرق ریزی قابل صد تحسین و ستائش ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پانچ لاکھ بانوے ہزار سات سو پچیس احادیث کو انہوں نے کس وجہ سے موضوع

قرار دے کر رد کر دیا اس کا جواب ہمیں علامہ شبلی کی کتاب سیرۃ النبی جلد اول سے ملتا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ احادیث کی تدوین دور بنی امیہ میں شروع ہوئی جنہوں نے ۹۰ برس تک سندھ سے لے کر ایشیائے کوچک اور اسپین کی تمام مساجد میں بنو فاطمہ کی ہتک حرمت کی اور ہر جمعہ کو برسر منبر حضرت علیؑ پر لعنت کرائی اس زمانہ میں ہزارہا حدیثیں امیر معاویہ اور دیگر لوگوں کی منقبت میں گھڑی گئیں۔ عہد بنو عباس میں ہر خلیفہ کے لئے بشارتیں وضع کر کے احادیث میں ملادی گئیں (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۵ مولفہ علامہ شبلی)

جب کہ ایک مدت مدید تک یہ عالم رہا ہو کہ حکومت وقت کے حکم سے حدیثیں گھڑی گئیں اور ان موضوع احادیث کو احادیث صحیحہ میں ملادیا گیا تو ممکن ہے کہ باوجود امام بخاری کی اس کدوکاوش کے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف احادیث صحیحہ داخل کریں اور موضوع احادیث کو رد کر دیں پھر بھی کچھ موضوع احادیث جن کو انہوں نے صحیح سمجھا ہو ان کی صحیح میں داخل ہو گئی ہوں ان حالات کے پیش نظر یہ ماننا پڑتا ہے کہ صحیح بخاری قرآن پاک کی مانند قطعی الدلالتہ نہیں ہو سکتی اور جو احادیث اس میں درج ہیں ان کو اصول روایت و درایت کے مطابق آج بھی پرکھا جا سکتا ہے۔

احادیث کی صحت کو پرکھنے کے اصول

ہر حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے پہلے جز میں ان

راویوں کے نام ہوتے ہیں جن سے وہ حدیث پہنچی ہے اس جزکو سلسلہ اسناد کہتے ہیں۔ دوسرے جز میں مضمون حدیث ہوتا ہے اس کو متن حدیث کہتے ہیں ان ہر دو اجزاء حدیث کی بنا پر صحت احادیث کے پرکھنے کے دو طریقے ایجاد ہوئے ایک کو روایت کہتے ہیں اور دوسرے کو درایت روایت سے حدیث کی صحت کے پرکھنے کا وہ طریقہ مراد ہے کہ جس میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آیا راوی نے اس واقعہ کو جو حدیث میں مذکور ہے خود دیکھا تھا یا اس میں بذات خود شرکت کی تھی اگر ایک سے زیادہ راوی ہیں تو پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن راویوں کے ذریعہ وہ حدیث پہنچی ہے وہ سلسلہ رواۃ اس شخص تک پہنچتا ہے جس نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا تھا یا جو اس میں بذات خود شریک تھا پھر ہر راوی کا سلسلہ نسب اس کا کردار، اس کے عقائد اس کا پیشہ اور اس کی شہرت عامہ۔ اس کی ذہنی کیفیت کا حال معلوم کرنا بھی داخل روایت ہے تاکہ یقین کے ساتھ یہ یہ کہا جا سکے کہ آیا راوی ثقہ، معتبر اور قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ راویان حدیث کے مکمل حالات رجال کی کتابوں میں مل جاتے ہیں ورایت سے حدیث کی صحت کے پرکھنے کا وہ طریقہ مراد ہے جس میں متن حدیث پر غائر نظر ڈالی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ آیا مضمون حدیث خلاف عقل تو نہیں ہے یا وہ کسی مسلمہ

اصول اسلام کی نفی و تردید تو نہیں کرتا ہے عام طور سے احادیث کی صحت کے پرکھنے میں روایت و درایت دونوں طریقوں سے کام لیا جاتا ہے لیکن بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جب صحت حدیث کو اصول روایت سے پرکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی یہ پتہ لگانا غیر ضروری ہوجاتا ہے کہ آیا راویان حدیث ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، اور حدیث کو صرف اس کے متن کی بناء پر ناقابل قبول سمجھا جاتا ہے۔ جن صورتوں میں حدیث محض متن کی بنا پر قبول نہیں کی جاتی ہے انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب "عجالۂ نافعہ" میں ایک جگہ جمع کردیا ہے اور وہ صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ اگر کسی حدیث میں وہ واقعہ درج ہو جو تاریخ کے مسلم الثبوت واقعات کے خلاف ہو۔

۲۔ اگر واقعہ مندرجہ حدیث کو صرف ایک شخص نے بیان کیا ہو حالانکہ وہ واقعہ ایسی چیز یا حکم پر مشتمل تھا جس کا جاننا اور جس پر عمل کرنا ہر شخص پر فرض تھا۔

۳۔ اگر متن حدیث عقل یا صریح تعلیمات اسلامی کے مغایر ہو

۴۔ اگر واقعہ مندرجہ حدیث اس نوعیت کا ہے کہ اگر وہ ہوا ہوتا تو اس کا علم بہت سے لوگوں کو ہوتا اور انہوں نے اس کو بیان کیا ہوتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس ایک راوی کے اس واقعہ کو کسی اور شخص نے بیان نہیں کیا۔

۵۔ اگر واقعہ مندرجہ حدیث رکیک ہو مثلاً جو الفاظ اس میں استعمال ہوئے ہیں وہ صراحتہً محاورہ عرب کے خلاف ہیں

۶۔ اگر واقعہ مندرجہ حدیث شان پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف ہو۔

۷۔ اگر حدیث میں معمولی گناہوں کے لئے سخت عذاب کی تہدید اور معمولی درجہ کے نیک کاموں کی جزاء میں زبردست انعامات کی بشارت ہو۔

۸۔ اگر حدیث میں نیکی کرنے والوں کو ان انعامات کی بشارت دی گئی ہو جو انبیاء اور رسُل سے مخصوص ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنی کتاب موضوعات میں، ابن جوزی نے اپنی کتاب "فتح المغیث" میں ابن حجر نے اپنی کتاب نزہتہ النظر میں اور علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اوّل میں قدرے کمی بیشی کے ساتھ ان صورتوں کو درج کیا ہے جن کی موجودگی میں حدیث کو محض متن و مضمون کی بناء پر صحیح قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ہر دو احادیث زیر بحث اصول مندرجہ بالا کے معیار پر

حدیث اوّل مندرجہ کِتابُ الجہاد، بابُ الدُّعاءِ بالجہادِ لِلرجال والنساء)

اس حدیث کو ہم مع اردو ترجمہ کے اوپر نقل کر آئے ہیں۔

ہر وہ شخص جس کو آنحضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام کے
حالات اور ان کی سیر طیبہ سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس
حدیث کے متن کو پڑھنے کے بعد بلا تامل کہہ اٹھے گا کہ یہ حدیث
صاف وضعی ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ
بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث کا جزو اول اس چیز پر مشتمل ہے
جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے منافی ہے اس جزو
حدیث میں بیان یہ کیا گیا ہے کہ معاذاللہ آنحضرت صلعم کے سر
میں جوئیں پڑ گئی تھیں جن کو ام حرام بین رہی تھیں اور جوئیں بنواتے
ہوئے آپ سو گئے۔ جوں ایک باریک رینگنے والا کیڑا ہوتا ہے جو میل
کچیل اور غلاظت سے پیدا ہوتا ہے۔
یہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ صاف وشفاف اور پاک وپاکیزہ رہتے ہیں اور
خوشبو کا استعمال کرتے رہتے ہیں ان کے کپڑوں اور بالوں میں
جوئیں نہیں پڑتیں۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی طہارت
وپاکیزگی اور ان کا خوشبوؤں سے شوق ضرب المثل کی حیثیت رکھتا
ہے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مستشرقین میں سے بھی جنہوں نے
حضور صلعم کی سیرۃ پاک پر قلم اٹھایا ہے کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا
کہ قبل نبوت یا بعد نبوت کسی وقت بھی آپ کو میلا کچیلا دیکھا گیا ہو
بلکہ ان لوگوں نے طنزاً یہ ضرور لکھا ہے کہ آپ کو ظاہری صفائی
اور خوشبوؤں کا بے انتہا شوق تھا ایسی صورت میں آپ کے سر

میں جوئیں پڑنے کا واقعہ قطعی موضوع قرار پاتا ہے۔ اس نتیجہ کی تائید اس چیز سے ہوتی ہے کہ ام حرام کے علاوہ کسی صحابی رسول یا زوجۂ رسولؐ کا یہ قول نہیں ملتا کہ آنحضرت صلعم کے سر یا کپڑوں میں کسی وقت بھی جوئیں پڑ گئیں تھیں حالانکہ ازواج رسول کو سب سے زیادہ آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا اور وہ ان کے ڈھکے چھپے ہر حال سے واقف تھیں لہذا یہ حدیث اصول نمبر ۴ اور ۶ کے تحت صاف و صریح طور سے موضوع قرار پاتی ہے۔ اور راویوں کا حال معلوم کئے بغیر اس کی صحت کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا البتہ یہ دوسری چیز ہے کہ کوئی شخص اپنی مقصد برآری کے لئے اس حدیث کو بھی صحیح قبول کرے جس سے صاف طور سے افضل الانبیا کی منقصت نکلتی ہو۔

"حدیث دوم مندرجہ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قال فی قتال الروم"

اس حدیث کو بھی ہم نے مع اردو ترجمہ کے من وعن اوپر نقل کر دیا ہے۔ اس حدیث کے دو جزو ہیں۔

۱۔ جزو اوّل یہ ہے کہ ام حرام نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا میری امت میں پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہے مولوی محمود احمد صاحب عباسی کا کہنا ہے کہ اس سے وہ بحری حملہ مراد ہے جو امیر معاویہ نے جزیرہ قبرص پر کیا تھا۔

مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر یہ جزئیہ حدیث صاف وصریح موضوع قرار پاتا ہے۔

(الف) اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے پہلے بحری بیڑے کی بابت بشارت جنت دی ہوتی تو اس کا علم ان کے اور بھی بہت سے اصحاب کو ہوتا خاص کر سابقین اولین کو جنہیں ابتدائے زمانۂ نبوت سے آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا۔ لیکن کیفیت یہ ہے کہ جب امیر معاویہ نے قبرص پر بحری حملہ کرنے کی درخواست حضرت عمرؓ سے کی تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی ص ۱۲۰) اسی طرح جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں امیر معاویہ نے قبرص پر بحری حملہ کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے بھی اس کی درخواست کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ جو عمل اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے کیا تھا میں اس کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ امیر معاویہ کے بیحد اصرار پر حضرت عثمانؓ نے انہیں قبرص پر بحری حملہ کرنے کی اجازت دی لیکن بادل ناخواستہ (اردو ترجمہ تاریخ اعثم کوفی ص ۸۰ مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی) اسلام کی کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ جب قبرص پر بحری حملہ کرنے کی درخواست حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مسترد کر دی تو امیر معاویہ نے ان سے یہ عرض کیا ہو کہ میں تو اس بحری حملہ کرنے کے لئے اسلئے بےچین ہوں کہ میرے جنتی ہونے

کی آنحضرت صلعم بشارت دے گئے ہیں۔ عمیر ابن الاسود واحد شخص ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ آنحضرت صلعم کے لاکھوں اصحاب کرام میں سے کسی کی بھی اس ضمن میں تائید نہیں ملتی لہذا راویان حدیث کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث میں پڑے ہوئے بغیر اصول نمبر ۴ کے تحت یہ حدیث موضوع ٹھہرتی ہے اور اس کی صحت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) اس حدیث کی وضعیت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ باوجود اس حدیث کو اپنی صحیح میں داخل کرنے کے امام بخاری نے اس فضیلت کو امیر معاویہ کے مناقب میں شامل نہیں کیا۔ حالانکہ زبانِ رسالت سے بشارت جنت سے بڑی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

۲۔ جزء دوم حدیث یہ ہے کہ اُمِ حرام نے بیان کیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینۂ قیصر میں جہاد کرے گا مغفور ہوگا۔

فاضل مولف نے علامہ قسطلانی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ مراد ہے، مزید براں محدث المہلب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ اس حدیث میں یزید بن معاویہ کو مغفرت کا وعدہ ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

یہ جزو حدیث دو سبب سے موضوع ثابت ہوتا ہے۔

الف) اوّل تاریخ کی بنا، پر جو لوگ تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ پہلا لشکر جو دارالخلافت روم یعنی قسطنطنیہ کی طرف گیا وہ یزید کی قیادت میں نہیں بلکہ سلیمان کی قیادت میں گیا تھا جس زمانہ میں مسلمان بلاد روم میں لڑرہے تھے۔ یزید تو اپنی محبوبہ ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر کے ساتھ دمشق میں رنگ رلیاں منا رہا تھا، اس کی کسی قدر تفصیل علامہ عبداللہ العمادی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کی تاریخ اسلام میں ملتی ہے جس کو ہم ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

"معاویہ نے یزید کو گرمائی جہاد کے لیئے بھیجا، اس کے ساتھ سفیان بن عوف العامری بھی تھے۔ بلاد روم میں داخل ہونے میں سلیمان یزید سے سبقت لے گئے مگر وہاں پہنچ کے مسلمان بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر یزید بن معاویہ کی بیوی تھی یزید کو اس سے محبت تھی، جب یزید کو مسلمانوں کے بخار اور چیچک میں مبتلا ہونے کی خبر پہنچی تو اس نے کہا۔

مَا اِنْ اُبَالِیْ بِمَا لَاقَتْ جُمُوْعُهُمْ	جو چیز ان کی جماعتوں کو پیش آئی یعنی غذ
بِالْغَذْقَذُوْنَةِ مِنْ حُمّٰی وَّمِنْ مُوْمٍ	قذونہ میں بخار اور موت اس کی مجھے پرواہ نہیں
اِذَا اتَّکَاتُ عَلَی الْاَنْمَاطِ فِیْ غُرَفٍ	جب میں کھڑکیوں میں قالینوں پر تکیہ لگا کر

بِدُبُرِ مُرَّانَ عِنْدِی اُمُّ کُلْثُوْم — بیٹھتا ہوں۔ دبر مران میں میرے پاس

ام کلثوم ہوتی ہے۔

اس کی خبر معاویہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں تجھے زمین روم میں ضرور جانا ہوگا اور ضرور ضرور تجھ پر وہی مصیبت آئے گی جو ان لوگوں پر آئی۔ انہوں نے اسے اسی لشکر کے پیچھے روانہ کردیا۔" (ص ۲۵۶) پس معلوم ہوا کہ یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت کے خلاف ہے کہ مدینہ قیصر میں جس اول لشکر نے جہاد کیا اس میں یزید شامل تھا۔ وہ تو بعد میں جبراً بھیجا گیا ہے، لہٰذا بغیر کسی راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث میں پڑے ہوئے اصول نمبر ا کے تحت یہ جزء حدیث موضوع ٹھہرتا ہے اور اس لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہیں ہوگا کہ فاضل مولف نے یہ غلط لکھا ہے کہ امام حسینؑ بھی جہاد قسطنطنیہ میں شریک تھے، امام المورخین علامہ جریر طبری نے صاف طور سے لکھا ہے کہ اس جنگ میں حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت ابن عمرؓ۔ حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابوایوبؓ انصاری شریک تھے۔ امام حسین علیہ السلام کا نام وہاں مذکور نہیں ہے (اردو ترجمہ تاریخ طبری جلد ۲ حصہ اول ص ۶۶ مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(ب) دوئم خلاف عقل ہونے کی وجہ سے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جن لوگوں نے جنگ احد، جنگ خندق، جنگ خیبر، جنگ حنین وغیرہ میں بمعیت پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاد کیا۔ وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے عہد امیر معاویہ و یزید میں لڑائیاں لڑیں ایمان کے بلند تر درجوں پر فائز تھے لیکن کوئی شخص کسی ایسے قول پیغمبرؐ کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا جیسں آپ نے احد، خندق، خیبر، حنین تبوک وغیرہ کی جنگ میں تمام مجاہدین کی بابت یہ بشارت دی ہو کہ وہ سب کے سب جنتی اور مغفرت یافتہ ہیں لیکن حیرت کا مقام ہے کہ مدینہ قیصر میں جنگ کرنیوالے تمام لوگوں کو من حیث الکل بشارت جنت دی جائے آخر یہ لوگ کس حیثیت سے اُن سابقین فی الاسلام سے ممتاز و مفتخر تھے۔ یہ جزو حدیث صریحاً خلاف عقل ہے اور اس لئے اصول نمبر ۳ کے تحت موضوع اور ناقابل اعتماد ہے۔

یہ تھیں وہ دو موضوع حدیثیں جن کو فاضل موٴلف نے اپنی کتاب کی عمارت کی بنیاد قرار دیا تھا لیکن جب بنیاد ہی ناپائیدار ثابت ہو تو عمارت کا کیا اعتبار۔
